SJIF Impact Factor - 5.67

E- ISSN 2582-5429

AKSHARA

Multidisciplinary Research Journal

Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal

April - June 2022 Volume 03 Issue IV (A)

Chief Editor : Dr. Girish S. Koli, AMRJ
For Details Visit To - www.aimrj.com

Akshara Publication

E- ISSN 2582-5429
AMRJ
Akshara Multidisciplinary Research Journal
Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal
April-June 2022 Volume 3 Issue IV (A) SJIF Impact- 5.64

Sr.No	Title of the Paper	Author's Name	Pg.No
21	पाथर्डी तालुका एक ऐतिहासिक परिप्रेक्ष	डॉ.राधाकृष्ण लक्ष्मीकांत जोशी	95
22	मानसिक स्वास्थ आणि ऑफलाइन परीक्षा	डॉ. छाया व्ही. ठिगळे	100
23	महाराष्ट्रातील आधुनिक जलसिंचन पद्धतीचे कृषी विकासातील योगदान	विद्या रामलाल पाटील प्रा . डॉ . विजय मांटे	103
24	मराठी गझल : एक आकलन	डॉ.संजय एस. पोहरे	107
25	क़ुर्रतुलऐन हैदर की नावेल-निगारी का जाएज़ा (उर्दू)	डॉ. शेख़ आफ़ाक़ अंजुम	111
26	मुस्लिम खानदानों में खवातीन की तालीम (urdu)	डॉ. सालेहा परवीन	115

E- ISSN 2582-5429
Akshara Multidisciplinary Research Journal
Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal
April-June 2022 Volume 3 Issue IV (A) SJIF Impact- 5.64

25

قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کا جائزہ

ڈاکٹر آفاق انجم شیخ
صدر شعبہ اردو، آرٹس کامرس اینڈ سائنس کالج، جلگاؤں

نسائی ادب اُردو ادب کا نہایت اہم اور قابلِ قدر حصہ رہا ہے۔ نسائی شعور کی روایت ہمارے ثقافتی رُجحان کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہ خواتین کے شعور و ادراک کی آئینہ دار ہے۔ نسائی شعور جو عورت کو بحیثیتِ انسان کے مقام و منصب میں کم تر سمجھنے کے خیال کو رد کرتا ہے۔ طبقۂ نسواں کسی بھی معاشرے کا ایک اہم جزو ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اُس وقت تک ترقی یافتہ نہیں بن سکتا جب تک اُس معاشرے کی خواتین ذی علم و ذی شعور نہ ہوں، اُنہیں اُن کے وہ حقوق حاصل نہ ہوں جن کے بغیر سماجی فرائض حقیقی معنوں میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قوم کی فلاح و ترقی میں خواتین کی تعلیم کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ مردانہ غلبہ والے معاشرے میں عورت کے وجود اہمیت اور شناخت سے اکثر انکار کیا گیا لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ دنیا کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے اپنی موجودگی کا احساس نہ دلایا ہو۔ علم، ادب و صحافت جیسے شعبوں میں اگرچہ مردوں نے اپنی اساس زیادہ مستحکم کی ہے لیکن خواتین نے بھی اپنی فکری و فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ادب کی تقریباً ہر صنف پر قلم اٹھایا اور اسے خوب نبھایا ہے۔ اِن نسائی تحریروں نے ادب کے بے رنگ خاکوں کو خوبصورت رنگوں سے مزیّن کیا ہے۔ رشیدۃ النساء سے لے کر جیلانی بانو تک خواتین ناول نگاروں کا طویل سلسلہ ہے جنہوں نے اُردو ناول نگاری کے فن کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اِن ناول نگاروں کی تخلیقات میں تعلیمِ نسواں، حقوقِ نسواں، ہجرت، فسادات، رسوم و رواج میں تبدیلی جیسے اَن گنت موضوعات نظر آتے ہیں۔

اُردو ناول نگاری میں اگرچہ مردوں کا غلبہ رہا ہے لیکن باوجود اس کے اس صنف کا تذکرہ ایک خاتون ناول نگار کے بغیر ادھورا ہے، وہ باوقار نام ہے قرۃ العین حیدر، جنہیں اہلِ ادب اُردو کی ورجینا وولف کہتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے اپنے منفرد اُسلوب کی بناء پر اُردو ادب میں اپنی ایک الگ شناخت بنائی ہے۔ اُردو کی یہ عظیم فکشن نگار ۲۰، جنوری ۱۹۲۷ء کو ایک معزز ادبی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اُن کے والد معروف ادبی شخصیت سجاد حیدر یلدرم ہیں جو اُردو کے اوّلین افسانہ نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اُن کی والدہ نذر سجاد حیدر بھی اُردو کی معروف ناول نگار تھیں۔ قرۃ العین حیدر نے ابتدائی تعلیم کونونٹ اسکول اور اعلیٰ تعلیم لکھنؤ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ موصوفہ امریکی جامعات سمیت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی سے بطور پروفیسر تا حیات وابستہ رہیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد اُن کا خاندان پاکستان چلا گیا۔ بعد ازیں اُنہوں نے ہندوستان آنے کا فیصلہ کیا۔

اُردو ناول رشیدۃ النساء سے جیلانی بانو تک پہنچتے پہنچتے کئی منازل طے کر چکا تھا۔ اُردو ادب میں اس صنف کی ایک مستحکم روایت قائم ہو چکی تھی، لیکن جب قرۃ العین حیدر نے اس صنف میں قدم رکھا تو اپنے معجز رقم قلم سے اُردو ناول کو فکری عظمت، فنی رفعت اور فلسفیانہ گہرائی سے اس طرح روشناس کرایا کہ مذکورہ محاسن اُن کے ادبی اُسلوب کی شناخت بن گئے۔ قرۃ العین حیدر کے ناولوں کے مطالعے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُن کی اثر پذیری مشرقی نہیں بلکہ خالص مغربی ہے، اس کی وجہ اُن کی انگریزی میڈیم کی تعلیم اور انگریزی لٹریچر سے وابستگی ہے۔ وہ ورجینا وولف، اسکاٹ رچرڈس جیسے مغربی ادبا و ناقدین سے کافی حد تک متاثر تھیں۔ قرۃ العین حیدر کو چونکہ ادبی ماحول ورثے میں ملا تھا اس لیے انہوں نے گیارہ سال کی عمر سے ہی بچوں کے لیے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اُن کا پہلا ناول 'میرے بھی صنم خانے' ۱۹۴۹ء میں منظرِ عام پر

E- ISSN 2582-5429
AMRJ
Akshara Multidisciplinary Research Journal
Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal
April-June 2022 Volume 3 Issue IV (A) SJIF Impact- 5.64

آیا۔ اس کے بعد اُن کے متعدد ناول شائع ہوئے۔ 'سفینۂ غمِ دل'، 'آگ کا دریا'، 'آخرِ شب کے ہمسفر'، 'کارِ جہاں دراز ہے'، 'گردشِ رنگِ چمن' اور 'چاندنی بیگم' اُن کے قابلِ ذکر ناول ہیں۔ قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کا آغاز تقسیم ہند کے ساتھ ہی ہوا ہے، وہ اپنی زندگی کے اوّلین ناول کی تخلیق میں مصروف تھیں کہ تقسیم کا کربناک سانحہ درپیش آیا اور انہیں ترکِ وطن کرنا پڑا۔ اُنہوں نے تقسیم کے کرب کو سہا ہے اور اس کے درد کو محسوس بھی کیا ہے، شاید یہی سبب ہے کہ اُن کے بیشتر ناول تقسیم کے المیہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ناول 'میرے بھی صنم خانے' میں تقسیم کے نتیجے میں تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کی شکستہ حالی کی عکاسی کی گئی ہے۔ تقسیم کے نتیجے میں جو فرقہ واریت پیدا ہوئی تو اچھے خاصے پڑھے لکھے دانشور اور مہذّب افراد گردشِ ایّام کی زَد میں آکر مفلوک الحال ہو گئے۔ نفرت کے عفریت نے کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر قرۃ العین حیدر کو افسوس ان افراد کی موت سے زیادہ اُس تہذیب کی موت کا تھا جو انہیں بے حد عزیز تھی۔ اسی تباہ حال تہذیب کی داستانِ اَلم 'میرے بھی صنم خانے' کا موضوع ہے۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ لکھتی ہیں۔۔۔۔۔

''میرے بھی صنم خانے تقسیمِ ہند کے المیہ پر قلمبند کیا ہوا قرۃ العین حیدر کا یہ پہلا ناول ہے جسے زوالِ آدمِ خاکی کی کہانی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔'' ۱

۱۹۸۹ء میں ناول 'آخرِ شب کے ہمسفر' کی تصنیف پر قرۃ العین حیدر کو ادب کا موقر اعزاز 'گیان پیٹھ ایوارڈ' سے نوازا گیا۔ اُردو ادب میں یہ ایوارڈ حاصل کرنے والی وہ پہلی خاتون ہیں۔ علاوہ ازیں حکومتِ ہند نے ۱۹۸۴ء میں 'پدم شری' اعزاز برائے ادب و تعلیم اور ۲۰۰۵ء میں 'پدم بھوشن' جیسے باوقار اعزازات سے بھی نوازا۔ حکومتِ ہند نے انہیں ۱۹۶۷ء میں افسانوی مجموعہ 'پت جھڑ کی آواز' کے لیے 'ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ' بھی تفویض کیا۔ قرۃ العین حیدر کا منفرد اُسلوبِ نگارش اُنہیں دیگر نثر نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اُن کے طرزِ تحریر کی خوبی یہ ہے کہ اُن کے ذاتی تجربات و احساسات قاری کو اپنے دل کی آواز اور اپنی آپ بیتی محسوس ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے قرۃ العین حیدر کے طرزِ تحریر پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے۔۔۔۔۔

''حقیقت یہ ہے کہ قرۃ العین حیدر کے پورے افسانوی ادب کے تجزیہ سے یہ بات روشن ہے کہ اُنہوں نے اپنی زیادہ تر تخلیقات میں خود اپنی ذات کا اظہار کیا ہے، اور یہ اظہارِ ذات محدود معنی میں ہرگز نہیں ہے بلکہ 'شیشے کے گھر' سے لے کر 'روشنی کی رفتار' اور 'میرے بھی صنم خانے' سے لے کر 'چاندنی بیگم' تک کی تمام تحریروں میں اُنہوں نے ایک جہانِ معنی آباد کر رکھا ہے، جس سے پوری طرح لطف اندوز اور محظوظ ہونے کے لیے تاریخی بصیرت لازمی شرط ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں فکشن کے نقادوں نے قرۃ العین حیدر کی تفہیمِ تاریخ کو پسِ پشت ڈالا ہے کوئی مثبت رائے قائم نہ کر سکے ہیں۔'' ۲

قرۃ العین حیدر کا ناول 'آگ کا دریا' اردو ادب کا ایک شاہکار ناول ہے، جس کی فنی عظمت کو ناقدین نے تسلیم کیا ہے۔ اس ناول کا کینوس کافی وسیع ہے، جس میں ہندوستان کی تقریباً ڈھائی ہزار سالہ تہذیب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ وہ تہذیب جو ڈھائی ہزار سال کا طویل سفر طے کر کے تقسیمِ ہند تک پہنچی اور تقسیم کے بعد تباہی و بربادی کے دہانے تک آ پہنچی۔ مجتبیٰ حسین نے ۶۳۹ صفحات پر مشتمل ضخیم ناول 'آگ کا دریا' کا خلاصہ چند سطور میں اس طرح بیان کیا ہے۔۔۔۔۔

''آگ کا دریا' قدیم ہندوستان کی تہذیب کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ اس تہذیب کے پس منظر میں وید اور گیتا کے حکیمانہ اقوال اور منتر ملتے ہیں۔ مہاویر اور گوتم کی عظیم شخصیتیں ملتی ہیں۔ رام اور کرشن ملتے ہیں۔ منو مہاراج چانکیہ، کالیداس، بھبھوتی بھرتری ہری بھی ملتے ہیں۔ کپل وستو اجودھیا، گیا، کاشی، پریاگ ملتے ہیں۔ یہاں علم کے دریا بہتے ہیں۔ ناچ رنگ موسیقی کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد منظر بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔ مسلمان آتے ہیں، جو اپنے ساتھ عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوز دروں لاتے ہیں۔ تلسی داس اور کبیر آتے ہیں۔ جونپور، فیض آباد اور لکھنؤ ابھرتا ہے۔ اور اب انگریز آجاتے ہیں اور نیا ہندوستان سامنے آجاتا ہے۔ جناح، گاندھی، جواہر لال، کانگریس،

E- ISSN 2582-5429
Akshara Multidisciplinary Research Journal
Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal
April-June 2022 Volume 3 Issue IV (A) SJIF Impact- 5.64

مسلم لیگ اور باہر سے لائے ہوئے فی ایس ایلیٹ، لوئی میکنیز سب کہیں نہ کہیں مل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان تقسیم ہو جاتا ہے اور تہذیب کا عظیم دریا دو دھاروں میں بدل جاتا ہے۔'' ۳

قرۃ العین حیدر کے پاس ذخیرہ الفاظ کی کمی نہیں۔ ناول کی زبان موضوع کے مطابق علامتی اور انداز شاعرانہ ہے۔ ہر عہد کی زبان کو حیدر نے بڑی خوش اسلوبی سے برتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ 'آگ کا دریا' ایک مکمل ہندوستان کی تصویر ہے۔ اس ناول میں قرۃ العین حیدر نے اسلوب اور اظہار و بیان کے نئے تجربے کیے ہیں۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری ناول 'آگ کا دریا' کی فنی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔۔۔۔۔

''جس وسیع رقبہ پر اور جس وسعت نظر کے ساتھ اس ناول میں تاریخی شعور اور تخلیقی فن کے آداب کو سمویا گیا ہے، اس کے پیش نظر 'آگ کا دریا' نہ صرف ناول نگار کے اب تک کے کارناموں میں شاہکار درجہ رکھتا ہے بلکہ ہماری زبان کے ادب میں بھی اس کی جگہ ایسی منفرد اور ممتاز ہے کہ اس کی ہمسری شاید عرصہ تک ممکن نہ ہو۔'' ۴

قرۃ العین حیدر کے مذکورہ بالا ناولوں کے علاوہ چار ناولٹ بھی منظر عام پر آئے اور خاصے مقبول ہوئے۔ 'دلربا'، 'سیتا ہرن'، 'چائے کے باغ' اور 'اگلے جنم موہے بٹیانہ کیجو'، ان کے وہ ناولٹ ہیں جنہیں قارئین نے کافی سراہا۔ ناولٹ 'دلربا' لکھنو کے زوال پذیر جاگیردارانہ معاشرے کے پس منظر میں لکھا گیا ہے، جس میں تھیٹر اور مختلف زمانے میں اس کے بدلتے ہوئے کلچر کی عکاسی کی گئی ہے۔ 'سیتا ہرن' کا موضوع عورت کا استحصال ہے، جس میں مغربی تہذیب کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ ناولٹ 'اگلے جنم موہے بٹیانہ کیجو' کا موضوع عورت ہے۔ عورت کی محرومیوں اور اس کے ساتھ ہو رہی ناانصافیوں کی حقیقی تصویر پیش کرتا یہ ناولٹ تاریخ اور تہذیب کا عکاس ہے۔ ناولٹ 'چائے کے باغ' کا موضوع دنیا کی بے معنویت کا گلہ ہے، جس میں بنگلہ دیش کے پس منظر میں مزدوروں کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ ناولٹ 'چائے کے باغ' ۱۹۶۵ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قرۃ العین حیدر پاکستان سے ترک وطن کر کے ہندوستان واپس آ چکی تھیں۔ اس ناولٹ میں سابق مغربی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے اُس علاقے کی سیر کرائی گئی ہے جو اپنے سبزہ زاروں، مخملیں گھاس کے تختوں اور چائے کے باغات کے لئے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس ناول کا پس منظر چائے کے باغوں کی الف لیلوی سرزمین ہے، جہاں جنگل میں منگل منانے کے لیے ملک اور بیرونِ ملک سے دولت مند اور امیر لوگ آتے ہیں۔ اس سحر زدہ فضا میں کئی رومان پروان چڑھتے ہیں اور محبت کے نام پر ہوس کا بازار گرم ہوتا ہے۔ دل لگائے بھی جاتے ہیں اور توڑے بھی جاتے ہیں۔ کسی کو کسی کی فکر و پرواہ نہیں۔ سب اس دنیا کی رنگینیوں میں مست اپنے اپنے حصے کا زیادہ سے زیادہ لطف اٹھانے میں مگن ہیں۔ مگر ہزار لذت کوشیوں کے بعد بھی آسودگی میسر نہیں آتی۔ عورت اور مرد دونوں ہوس اور عیش پرستی کا شکار ہیں۔ یہ ایک المیہ ہے کہ معصوم سی فطری فضا میں نہایت مصنوعی قسم کے حضرات و خواتین جھوٹی محبت کے ڈھونگ رچاتے اور سطحی عشق کے سوانگ بھرتے ہیں۔ بظاہر بڑے مہذب لوگ چائے کے باغات میں تہذیب کا لبادہ اُتار کر بالکل برہنہ ہو جاتے ہیں اور ننگا ناچ ناچتے ہیں۔ ان مہذب لوگوں کی طرز حیات پر ایک زبردست طنز ان غریبوں کی زندگی ہے جو چھوٹی چھوٹی ضروریات زندگی کی چیزوں کو بھی بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔ ہر طبقے میں فطرتِ انسانی کے تضادات ہیں جو کسی معمہ سے کم نہیں۔ دُنیا کی زندگی اور اس کی تیرنگیاں بڑی پُر پیچ اور پُر اسرار ہیں۔ 'دنیا میری سمجھ میں نہیں آئی!' اس مختصر سے بظاہر سادہ مگر چبھتے ہوئے پُر کار جملے پر ناولٹ ختم ہو جاتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کا یہ ناول کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ناول نگار نے اس مختصر سے کینوس پر زندگی کی بڑی وسیع و بسیط عکاسی کی ہے۔ اس ناولٹ کی تکنیک بھی بالکل اچھوتی ہے۔ حیدر نے اس مختصر سے ناول میں انسانی زندگی کے مختلف مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس ناولٹ میں غزل کا سا اختصار، اُس کی سادگی اور پُر کاری ملتی ہے۔ کردار نگاری کا فن اس ناولٹ میں بامِ عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ ناولٹ کا اہم کردار راحت کاشانی عرف ریٹا عرف محمودہ کی مخصوص زندگی اپنے ماحول اور پس منظر میں ایک المیہ ہے۔ راحت

E- ISSN 2582-5429
AMRJ
Akshara Multidisciplinary Research Journal
Peer-Reviewed & Refereed International Research Journal
April-June 2022 Volume 3 Issue IV (A) SJIF Impact- 5.64

غیر معمولی حسن و ذہانت، فنی صلاحیت اور اخلاقی آزادروی کے باوجود خود کچھ نہ بن سکی۔ وہ حالات کے جال میں اس طرح پھنسی کہ گرتی ہی چلی گئی۔ اُس کی فطرت میں شدید نمائش پسندی تھی اور اس کو اپنے خوبصورت جسم کا بخوبی احساس بھی تھا۔ وہ ایک ایسی سوسائٹی گرل ہے جو حالات اور ماحول کے مطابق مختلف بھیس بدلتی ہے مگر اُس کے ہاتھ سوائے محرومی کے کچھ نہیں آتا۔ قرۃ العین حیدر نے اس کردار کو بہت سلیقے سے پیش کیا ہے اور اسے المیہ کی ایک زبردست ہیروئن بنا دیا ہے۔ اپنے اس کردار کے بارے میں قرۃ العین حیدر لکھتی ہیں۔۔۔۔

''راحت بمبئی کے ترقی پسند حلقے سے بھی رابطہ رکھتی تھی اور جب غیر ملکی فلمی یا تہذیبی وفد شہر میں وارد ہوتے تو راحت ہی اُن کے استقبال میں پیش پیش رہتی، مگر فلم انڈسٹری کے اندر اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہ اُس کے لیے بہت بڑا المیہ تھا۔ احمق الذہن خالی الذہن لڑکیاں چوٹی کی فلم سٹار بن کر لاکھوں کما رہی تھیں اور ایک عالم میں مشہور ہو گئی تھیں، مگر راحت اپنے غیر معمولی حسن، ذہانت، فنی صلاحیت اور اخلاقی آزادروی کے باوجود کچھ نہ بن سکی۔ اِس احساسِ محرومی اور ناکامی کی تلافی کے لیے وہ تلوار کی دھار پر سے گزر گئی۔'' ۵

قرۃ العین حیدر کا منفرد اسلوب نگارش اور وسیع کینوس اُنہیں اُردو کے دیگر ناول نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ بقول وحید اختر؛ اردو فکشن میں اتنی جاندار اور معنی خیز نثر شاید ہی کسی اور نے لکھی ہو۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ وسعت اور آفاقیت میں اُردو کا کوئی ناول نگار قرۃ العین حیدر کا پاسنگ بھی نہیں۔ اُنہوں نے اُردو ناول کو ایک نئی سمت عطا کی اور اُسے پڑھنے سے زیادہ محسوس کرنے کی چیز بنا دیا۔ اُردو کی یہ عظیم ناول نگار ۲۱، اگست ۲۰۰۷ء کو طویل علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رخصت ہوئیں اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

حواشی:

۱۔ قرۃ العین حیدر: تحریروں کے آئینے میں ۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ ۔ مکتبہ شعر و حکمت، حیدر آباد ۔ ۲۰۰۵ء ۔ (صفحہ ۴۱۲)
۲۔ قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ ۔ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی ۔ ۱۹۹۲ء ۔ (صفحہ ۹)
۳۔ قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ (مرتبہ۔ ارتضیٰ کریم) ۔ مجتبیٰ حسین ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی ۔ ۱۹۹۲ء ۔ (صفحہ ۱۶۲۔۱۶۳)
۴۔ قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ (مرتبہ۔ ارتضیٰ کریم) ۔ 'اسلوب احمد انصاری ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی ۱۹۹۲ء ۔ (صفحہ ۳۱۰)
۵۔ چائے کے باغ ۔ قرۃ العین حیدر ۔ حلقۂ ادب، بمبئی ۔ ۱۹۶۵ء ۔ (صفحہ ۵)

□ □ □